

حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندوی رحمہ اللہ العالی

قسط ۲۸

دوامِ حدیث

السلام

چودھواں باب — شفاعت :

”قرآن کریم میں کہیں بھی ذکر نہیں کہ آنحضرت عشرین سفارش کریں گے البتہ دنیا میں استغفار کا ذکر ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ تلافی مانگا کیئے کہ ستم ہو جائیں اور حضور انکی پیروی فرمائیں تو انکے پچھلے گنہ چھپ جائیگے۔ اس مضمون کے علاوہ قرآن میں شفاعت کا اور کوئی تخیل موجود نہیں بلکہ عدم شفاعت کا ذکر ہے :
”ولا يقبل منها شفاعة“ (نہ اس سے شفاعت قبول ہوگی)

آنحضرت نے اپنی لڑکی کو فرمایا :

”لا اغنى عنك من الله شيئا“

”میں اللہ کے دربار میں تمہاری کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔“

اب ذرا محدثین کا نقطہ نگاہ ملاحظہ کیجیے :

ابوہریرہ کی حدیث میں شفاعت کا ذکر ہے۔ مگر اس حدیث میں یوسف کے پاس جانے کا ذکر نہیں حالانکہ ان کے متعلق آنحضرت کی شہادت ہے کہ وہ سب سے زیادہ کریم ہیں، یعنی ”اکرم الناس“ ہیں۔ اگر کسی طالبِ علم کو معلوم ہو جائے کہ وہ نشت نہ کرے تب بھی پاس ہو جائیگا تو وہ یقیناً نعمت چھوڑ دیکگا۔ احادیثِ شفاعت میں اس قسم کا وعدہ آنحضرت سے بھی کیا جا چکا ہے

”اناسنرفیک فی امتک ولا تسوع“

”ہم تجھ نیری امت میں راضی کریں گے اور مغوم نہ ہونے دیں گے“ (دو اسلام)

الجواب :

زندوں کیلئے استغفار ہے اور مردوں کے لئے دعا — منافقوں اور مشرکوں کیلئے البتہ ممانعت ہے:

”ولا تصل علی احد منہم مات ابدا“

”اگر کوئی منافق مر جائے تو اس کیلئے دعا نہ کر“

”ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان“ (الحشر)

”اے ہمارے رب ہم کو بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان میں سبقت

کر چکے ہیں“

جب مردے کے لئے دعا اور استغفار ثابت ہے تو غور کرنے کے بعد یہی شفاعت کی حقیقت

ہے — اور آیت ”ماللظالمین من حمیم ولا شفیع“ (ظالموں — یعنی مشرکوں

کیلئے کوئی غمخوار اور شفیع نہیں) بھی اپنے اسلوب سے بتا رہی ہے کہ غیر ظالموں (مشرکوں) کی شفاعت ہوگی۔

اور ایک جگہ فرمایا:

”فما تنفعہم شفاعتہ الشافعیین“

ان فرقوں کو شافعیین کی شفاعت کا نفع نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے، ان چار فرقوں کے علاوہ باقی کو شفاعت نفع دیگی۔ نفی شفاعت کی آئیوں میں مشرکین کا ذکر ہے یا کافروں کا۔ اور مغفرت کے مفید ہونے کا جہاں ذکر ہے، اس سے مراد مسلمان موحد ہیں۔

باقی یہ کہ یوسف علیہ السلام کا اس حدیث میں ذکر نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عسکر کے دن کے تمام امور کا یہاں بیان نہیں کیا، صرف جو آپ کو بذریعہ کشف دکھائی دیئے وہ بتائے۔ (مسند احمد)

باقی رہی یہ بات کہ شفاعت سے لوگ گناہ پر دلیر ہو جائینگے، غلط ہے۔ کیونکہ شفاعت بے نازی کی نہیں ہوگی بلکہ نمازی کی ہوگی۔ پھر شفاعت مذکور اس وقت شروع ہوگی جب گناہ گار جہنم میں جا چکے ہونگے پھر سب کے سب ایک ہی بار نہیں نکالے جائینگے بلکہ متعدد دفعہ میں نکالے جائینگے، کوئی پہلے اور کوئی پیچھے۔ اس کی یہی وجہ ہوگی کہ گناہ کے مراتب مختلف ہونگے۔ پس جو لوگ سب سے پہلے نکالے جائیں گے باوجود نمازی، روزہ دار اور حاجی ہونے کے بعض کبار کی بنا پر اتنی دیر جہنم میں رہیں گے۔ اس سے پہلے

میدانِ محشر میں اور اس سے پہلے عالمِ برزخ میں سزا اٹھا چکے ہونگے۔ شفاعت کے باوجود اگر گناہ کار کو اتنی سزا کا ڈر ہو تو کب گناہ پر دلیر ہو سکتا ہے؟

اگر یہ نظر غور دیجھا جائے تو حقیقت میں شفاعت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کی صورت ہے یعنی گناہ کی سزا دو قسم کی ہے۔ ایک اس گناہ کی حقیقت اور مرتبہ کے لحاظ سے۔ اور ایک اس لحاظ سے کہ وہ متبع ہے۔ ظاہر ہے کہ متبع اور مجرم برابر نہیں ہو سکتے۔ متبع کی سزا میں تخفیف ہونی چاہیے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ایک گناہ کی سزا فی نفسہ ایک سال ہے مگر متبع ہونے کی بنا پر اس کی سزا ایک ماہ ہے۔ پس گیارہ ماہ جو سزا میں تخفیف ہے وہ اتباع کی وجہ سے ہے۔ یہ اتباع چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے اس واسطے یہ تخفیف قیامت کے دن شفاعت کی صورت میں ظاہر ہوگی جس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدرو منزلت کا اظہار بھی ہوگا اور آپ کی اتباع کی افادیت کا بھی!

پندرہواں باب۔ قرآن سے متضادم احادیث!

”قرآن میں ہے: ”لا اکراه فی الدین“ (دین میں کوئی جبر نہیں) ایک حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی قلمرو میں امن قائم کرنے کے لئے جرائم کا استیصال کرے، اس کے لئے تو اسے قتل کرے۔ اس نازک فرض کو سمجھنے کیلئے یہ آیت پڑھیے:

”وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كَلِمَةً تَلَّهَا“

”تم کفار سے اس وقت تک لڑو جب تک بد امنی ختم نہ ہو جائے۔ اور تمہارا قانون قلمرو میں نافذ نہ ہو جائے“

دین کے دو معنی ہیں۔ اول ضابطہ اسلامی، دوم۔ اس ضابطہ کا وہ حصہ جس کا نفاذ قیام امن کے لئے قلمرو میں ضروری ہے۔

اب یہ حدیث ملاحظہ ہو:

”اصوات ان اتاتل الناس ان تبشروا ولا الم الا الله وان محمد اس رسول الله وليقمو

الصلوة ويطؤوا الزکوة فاذا فعلوا ذلك عصموا مني اموالهم ودماؤهم الا

بغنى الاسلام وخاضهم على الله“

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ خدا کو ایک جان کر

میری رسالت کا اقرار نہ کریں اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کے پابند نہ ہو جائیں۔ اگر وہ ان باتوں کو مان

پس تو پھر میں ان کی جان دال سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔ ہاں جان دمال میں اللہ کے حقوق کسی طرح ساقط نہیں ہوں گے۔

یہ حدیث کئی طرح سے محل نظر ہے۔ اول قرآن حکیم نے بلامنی کو روکنے اور مظلوم کے اسرار کے لئے جہاد کا حکم دیا ہے نہ کہ قرآن کی تعلیم زبردستی منوانے کے لئے۔

لیکن اگر مندرجہ ذیل مسوزوں میں سے کوئی پیدا ہو جائے تو جنگ ختم کر دو۔ اول جب بلامنی اور فتنہ ختم ہو جائے۔ دوم جب دشمن سے صلح ہو جائے۔ — وان جنسوا للسلام فاجم نعمًا —

اگر وہ صلح چاہیں تو ان سے صلح کرو۔ سوم جب وہ جزیہ دینے پر راضی ہو جائے۔ حتیٰ يعطوا الجزية — یہاں تک کہ جزیہ ادا کرنے پر راضی ہو جائیں۔ چہارم جب وہ اسلام

قبول کرے۔ فان تابوا وادافوا مصلوۃ و اتوا الزکوۃ فخلوا سبیلہم۔ الایۃ یعنی وہ توبہ کرنے کے بعد اگر مصلوۃ و زکوۃ کے پابند ہو جائیں تو پھر ان کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ سورۃ

توبہ کی ابتدائی آیات میں مشرکین سے اعلان جنگ کی وجہ یہ نہیں بتائی گئی کہ وہ مسلمان نہیں تھے بلکہ یہ کہ انہوں نے تمام معاہدات توڑ دیے۔ — الا تقاتلون قوما مکشوا ایمانہم — کہ تم ان

مشرکوں سے کیوں نہیں جنگ کرتے جنہوں نے سارے معاہدات توڑ ڈالے۔ نیز ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ: قاعوا الیہم عہد ہم۔ کہ تم بھی ان معاہدوں کو پورا کرو۔ اور ساتھ ہی یہ رعایت

دی گئی کہ اگر کوئی مشرک تمہارے ہاں پناہ لینے کیلئے کہے تو انکار نہ کرو۔ چونکہ یہ حدیث لوگوں کو بد جبر مسلمان بنانے کیلئے جہاد کا حکم دیتی ہے اور قرآن کی تعلیم سے منقاد ہوتی ہے

اس لئے اس کی صحت مشتبہ ہے۔ (دوسرا سلام ص ۱۹۸)

الجواب: سورۃ توبہ کی آیت اور حدیث دونوں کے الفاظ ملتے جلتے ہیں۔ آیت میں بھی غایت قالین چیزیں ذکر کی ہیں۔

توبہ دینے توجید اور رسالت کی شہادت، اور پابندی منوم و زکوۃ۔ — حدیث

بین بھی یہی تین چیزیں ہیں۔ توجید و رسالت کا اقرار اور مصلوۃ و زکوۃ کی پابندی۔ اگر سورۃ توبہ میں مراد خاص

مشرکین ہیں تو حدیث میں بھی ”اناس“ سے مراد وہی گروہ ہے۔ کیونکہ الف لام عہد کا ہے۔ اس جواب

سے دوسرا اعتراض بھی اٹھ گیا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو اہل بحرین کی طرف جزیہ وصول کرنے کے لئے بھیجا

تھا حالانکہ وہ لوگ غیر مسلم تھے اور اس حدیث کی رو سے ان کے خلاف جہاد کرنا چاہیے تھا۔ لیکن چونکہ الف

نام مہد کا ہے لہذا اہل جزیہ اس سے خارج ہیں۔ اس طرح سب اعتراض بھی اٹھ گیا۔

حضور علیہ السلام نے جنگ خیبر میں حضرت علیؑ سے فرمایا تھا:

”تحداهم الى الاسلام لان يهدى لك من جلا خيلك عن محمد النعم“

کہ ”پھر تم انہیں اسلام کی طرف دعوت دو اور یاد رکھو، ایک انسان کا ہدایت پا جانا بھی تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔“

یہ نہیں فرمایا کہ غیر مسلم کو قتل کر ڈالو (جب تک مسلمان نہ ہو جائے جنگ جاری رکھو)۔ اس لئے حدیث خاص ہے۔ اس طرح چوتھا اعتراض بھی اٹھ گیا۔

موطا میں مذکور ہے۔ ایک اسرائیلی نے حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر کہنے لگا، میں بیعت کو توڑتا ہوں تین مرتبہ یہی بات دوہرائی۔ لیکن آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد وہ اٹھ کر چلا گیا۔ تو آپؐ نے فرمایا، مدینہ ایک بھٹی کی طرح ہے جہاں دھات باقی رہ جاتی ہے اور کثافت نکل جاتی ہے۔ کیونکہ یہ اسرائیلی مرتد نہیں ہوا بلکہ ہجرت کو چھوڑ گیا اور بیعت کی واپسی سے بھی اس کی غرض ہجرت پر بیعت مراد تھی نہ اسلام پر۔ لہذا اعتراض باطل ہے۔

پس اس پر جو منصرع ہے کہ یہ حدیث ”من بدل دینہ فاقتلوه“ جو شخص اسلام چھوڑ دے، اسے مار ڈالو، موضوع باطل ہوا۔ اس مسئلہ پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔